مولانا روم کی کہانیاں

مرتب

محمد حفیظ الدین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

مولانا روم کی کہانیاں

مرتب

محمد حفیظ الدین

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک ۱ - آر کے پورم، نئی دہلی 110066

MAULANA-ROME-KI-KAHANIYAN

Compilor:- M. HAFIZ-U-DDIN

سنہ اشاعت :

پہلا اڈیشن : 1979

چوتھا اڈیشن : 2003 تعداد 1100

قیمت : =/12

سلسلہ مطبوعات : 443

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ویسٹ بلاک۔ ۱، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔ 110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے بُرے کی تمیز آ جاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا ہے اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے مؤثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے۔ اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ اپنے بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فہرست

تعارف 7
گنجا توتا 11
موت سے بھاگنے والا 13
توتے کی چالاکی 15
ہُد ہُد سے کوّے کا حسد 18
شیر، بھیڑیا اور لومڑی 20
کاموں میں خلوص 23
نحوی اور ملّاح 25
ایک بہرا، بیمار کے پاس 27
شیر اور خرگوش 29
غلاموں کا غلام 34
غلام پر خواجہ کی مہربانی 35
بے سمجھی کا جھگڑا 37

تعارف

یہ کہانیاں ''مولانا رومؒ کی مثنوی'' سے چُنی گئی ہیں۔ مثنوی کی چھ بڑی بڑی جلدیں ہیں۔ یہ کتاب شعروں میں لکھی گئی ہے۔ کوئی پچیس ہزار شعر اس میں ہوں گے۔

مولانا روم کا مشہور نام جلال الدین ہے، اصلی نام محمد بن محمد حسین ہے یوں مولانا کا وطن بلخ تھا مگر بچپن ہی میں روم جا بسے۔ اُس زمانے میں ایشیائے کوچک کو روم کہتے تھے۔

مولانا ۱۲۰۷ء میں پیدا ہوئے اور بڑی عمر پائی۔ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اُنھوں نے اتنا پڑھا لکھا کہ ان کی گنتی اپنے زمانے کے مشہور عالموں میں ہونے لگی۔ ان کے علم اور ان کی اُستادی کا چرچا جگہ جگہ ہونے لگا۔ بہت سے طالب علم اُن کے پاس جمع رہنے لگے اُن کے اخلاق اور پڑھانے کے اچھے طریقے سے لوگ اتنے خوش تھے کہ ان کو دل و جان سے چاہتے تھے۔

ایک روز کی بات ہے کہ ایک قلندر سا شخص اُن کے مدرسے میں آیا۔ مولانا حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور پاس کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں آنے والے نے پوچھا۔ یہ کون سی کتابیں ہیں؟ مولانا نے کہا۔ ''یہ تم نہیں جانتے اسے 'قیل و قال' کہتے ہیں۔''

اس نے وہ تمام کتابیں اُٹھا کر پانی میں ڈال دیں۔ مولانا کو بہت افسوس ہوا کہا۔ "اے درویش! تم نے یہ کیا کیا؟ اس میں تو بعض ایسی کتابیں تھیں جو کہیں نہیں ملتیں۔"

درویش نے پانی میں ہاتھ ڈال کر سب کتابیں نکال لیں۔ وہ جوں کی توں سوکھی نکلیں۔ مولانا کو بہت اچنبھا ہوا، پوچھا۔ "یہ کیا بات ہے؟" درویش نے کہا۔ "یہ تم نہیں جانتے اسے ذوق و حال کہتے ہیں۔" اب تو مولانا درویش کے مرید ہو گئے اور اس کے رنگ میں رنگ گئے۔

یہ درویش حضرت شمس تبریزیؒ تھے۔ یہ بڑے بزرگ اور اللہ والے تھے۔ مولانا پر تبریزیؒ کا ایسا رنگ چڑھا کہ اُنھوں نے پڑھانا لکھانا سب چھوڑ دیا۔ اپنے پیر کے ساتھ جنگلوں، ویرانوں میں وقت بِتانے لگے اور رات دن حق کی باتیں ہونے لگیں۔

مولانا کے شاگرد چھوٹے، رشتہ دار ٹوٹے، دوست احباب جُدا ہو گئے۔ اس کا سبب صرف تبریزیؒ تھے۔ اس لیے وہ ان سب کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ سب اُن سے جلنے لگے۔ اور اُنھوں نے یہ تدبیر سوچی کہ راستے کا یہ روڑا ہٹا دیا جائے۔

ایک دن مولانا اور اُن کے پیر، ذکر فکر میں لگے ہوئے تھے کسی نے تبریزی کو پکارا۔ وہ باہر نکلے تو اُن پر کچھ لوگوں نے حملہ کر دیا۔ اس وقت ایک ایسی دل دہلا دینے والی چیخ نکلی کہ سب بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو دیکھا کہ شمس تبریزیؒ غائب ہیں اور لہو کی چند بوندیں وہاں پڑی ہوئی ہیں۔

مولانا رومؒ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ وہ اپنے پیر کی جدائی میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ نہ کھانے پینے کی سُدھ، نہ پہننے اوڑھنے کا دھیان۔ بس کسی خاص خیال میں ڈوبے رہتے۔ کچھ دنوں کے بعد طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو اپنے

چہیتے دوست اور مُرید حسام الدّین صاحب کے کہنے سے یہ کتاب لکھی۔

اس کتاب میں اچھا انسان بننے کی باتیں لکھی ہیں۔ سب باتیں شعروں میں کہانی کے طور پر بیان کی ہیں۔ ہندوستان کا ذکر اس میں جگہ جگہ آیا ہے۔ ہندوستان کی دو مشہور کتابوں "پنچ تنتر" اور "کلیلہ و دمنہ" کے حوالے بھی آئے ہیں۔ ان کی کچھ کہانیاں بھی اس میں ہیں۔

مولانا خشک مزاج والے مذہبی لوگوں کی طرح نہ تھے۔ وہ بڑے مزے مزے کی باتیں کرتے تھے۔ ہنسی ہنسی میں بہت سی کام کی باتیں سمجھاتے جاتے ہیں۔

مولانا نے چار ہندوستانی مسلمانوں کا قصہ بڑے دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ دوسروں کا عیب نکالنے میں انسان خود کیسی کیسی حماقتیں کرتا ہے۔ کہانی سمجھنے کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں نماز کے بیچ میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ قصہ یوں لکھتے ہیں :-

"ایک مسجد میں چار مسلمان آئے، ایک دوسرے کا عیب نکالنے کی ان میں عادت تھی۔ چاروں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں اذان دینے والا (مؤذن) آیا تو اُن میں سے ایک نے اُس سے کچھ پوچھ لیا۔ دوسرے نے جھٹ سے کہا۔ "اس نے بات کرلی۔ اس کی نماز جاتی رہی۔" تیسرے مسلمان نے کہا۔ "چچا! تم اس کو کہہ رہے ہو خود تم نے جو بات کر کے نماز توڑ دی۔" چوتھے نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے، سب بولے۔ میں نہ بولا۔" اس طرح ان چاروں کی نماز ٹوٹ گئی۔

دوسروں کا عیب ڈھونڈنے والوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

ایک اور موقع پر لکھا ہے :

"کسی بادشاہ نے سُنا تھا کہ ہندوستان میں ایک ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ اس کی پتّیاں کھانے سے آدمی کبھی نہیں مرتا۔ سدا سدا کے لیے اَمر ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنا ایک آدمی ہندوستان بھیجا اور بہت سارو پیہ خرچ کیا۔ مگر ایسا کوئی پیڑ ہوتا تو ملتا۔ آخر میں مولانا نے بتایا کہ لوگ بات کی جڑ تک نہیں پہنچے۔ کہنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ یہاں اس درخت سے مُراد علم تھا۔ لوگ سچ مچ اسے ایک پیڑ سمجھنے لگے۔ اسی طرح دُنیا میں ایک دوسرے کو نہ سمجھنے سے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ بات کو سمجھنے کی اور بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ لفظوں اور اصطلاحوں کے پھیر میں نہ پڑ جائے۔"

مولانا نے انسانوں کی خدمت اور دل کی پاکی پر بہت زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ محبت دُنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔

گنجا توتا

ایک بنیے کے پاس ایک اچھی آواز والا ہرا توتا تھا۔ وہ دُکان کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا اور گاہکوں سے مزے مزے کی باتیں بھی۔

ایک دن اس کا مالک کسی کام سے گھر گیا ہوا تھا۔ توتا دُکان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اچانک ایک بلی دکان میں گھس آئی اور چوہے پر لپکی۔ بچارا توتا جان کے ڈر سے ایک طرف بھاگا۔ گھبراہٹ میں بادام کے تیل کی بوتلیں گرا دیں۔ تیل ساری دُکان میں پھیل گیا۔

تھوڑی دیر بعد مالک آیا تو یہ حال دیکھ کر آپے سے باہر ہوگیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک دھول توتے کے ایسی ماری کہ اس کا سَر بھنا گیا اور چندیا گنجی ہوگئی۔ توتے کے دل کو دھکا لگا۔ اس نے بات کرنا چھوڑ دی۔ اب بنیے کی دُکان پر وہ چہل پہل نہ رہی۔ بنیا بہت پچھتایا اور افسوس کرنے لگا کہ میں نے اپنے ہاتھوں اپنا بیوپار گھٹا لیا۔ بوکھلاہٹ میں کبھی توتے کو مناتا، کبھی قسم قسم کی تصویریں دکھاتا کہ شاید

جوش میں آکر بول پڑے ۔ کبھی اپنے آپ پر جھنجلاتا کہ میری مت ماری گئی تھی ۔ میں نے ایسا کیوں کیا ۔ کبھی فقیروں کو خیرات دیتا، غرض بہت سے جتن کیے کہ کسی طرح توتا پھر بولنے لگے ۔ مگر توتے کو نہ بولنا تھا نہ بولا ۔

کئی دن کے بعد ایک گدڑی والا درویش اُدھر سے ننگے سر گذرا ۔ اس کے سر پر بال نہ تھے ۔ چندیا چمک رہی تھی ۔ توتے نے جو اُسے دیکھا تو ایک دم پکار اُٹھا ۔ " اے بھائی گنجے ! تم یہاں گنجوں میں کیسے نکل آئے ؛ معلوم ہوتا ہے تم نے بھی بادام روغن گرایا تھا ! "

سُننے والے ہنس پڑے کہ دیکھو ہر ایک اپنے پر سے دوسرے کا اندازہ لگاتا ہے ۔

موت سے بھاگنے والا

حضرت سلیمان پیغمبر کی خدمت میں ایک شخص بیٹھا ہُوا تھا، وہیں جان نکالنے والا فرشتہ (حضرت عزرائیل) آموجود ہوا۔ اس کی طرف کچھ اس نظر سے دیکھا کہ وہ سہم سا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد اُس شخص نے پیغمبر سے پوچھا۔

"حضرت! یہ کون تھے؟"

اُنھوں نے کہا۔ "یہ موت کے فرشتے عزرائیل تھے۔"

وہ گھبرا کر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے اُنھوں نے مجھے تاک لیا ہے! حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے دل میں ہول اُٹھ رہا ہے۔"

حضرت نے فرمایا۔ "پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے عرض کی۔ "مجھے یہاں سے دُور ہندوستان بھیج دیجیے، تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کسی طرح میری جان تو بچ جائے گی۔"

حضرت سلیمان پیغمبر کے حکم میں دُنیا کی سب چیزیں تھیں.

اُنھوں نے ہَوا کو حکم دیا اور وہ اسے ہندوستان کی طرف لے اُڑی اور آن کی آن میں سومناتھ پہنچا دیا۔

دوسرے دن پھر عزرائیلؑ حضرت سلیمان پیغمبر کی خدمت میں آئے۔ پیغمبر صاحب نے کہا۔ "بھئی! تم نے ایک غریب کو حیرت کی نظر سے دیکھ کر ڈرا دیا۔ وہ بچارا اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان جا پڑا۔"

حضرت عزرائیل نے کہا۔ "مجھے حکم ہوا تھا کہ آج اس کی جان ہندوستان میں نکالوں۔ میں اُسے یہاں دیکھ کر حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ میں جو ہندوستان پہنچا تو اسے وہاں موجود پایا۔"

اِس طرح خود اُس کی اُلٹی تدبیر نے قسمت کی لکھی بات پوری کر دی۔

توتے کی چالاکی

عرب کے ایک سوداگر نے ایک توتا پالا تھا۔ بہت خوبصورت اور اچھی آواز والا۔ سوداگر پرندوں کی بولی جانتا تھا اور توتے سے میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا۔

ایک بار سوداگر ہندوستان کے سفر کے لیے تیار ہوا، اپنے تمام نوکروں چاکروں سے پوچھا: "اس ملک سے تمھارے لیے کیا تحفہ لاؤں؟" سب نے اپنی اپنی پسند کی چیزیں بتائیں۔ آخر میں توتے کی باری آئی تو اس نے کہا۔ "مجھے کچھ منگوانا تو نہیں ہے۔ البتہ میری قوم کے لوگوں کو میرا سلام پہنچا دیجیے اور میرا حال بتا دیجیے۔ اُن سے کہیے کہ میں پردیس میں ہوں اور آپ نے مجھے بُھلا دیا، قسمت نے مجھے قید میں ڈال دیا ہے آپ آزاد ہیں اور باغوں کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ میں رات دن وطن کی اور آپ کی یاد میں تڑپتا رہتا ہوں۔ اس قید سے رہائی کی کوئی صورت ہو تو مجھے بتائیے ورنہ میں یوں ہی گھٹ

گھٹ کر مر جاؤں گا۔"

مسافر نے توتے کی بات بھی لکھ لی۔ جب وہ سفر کرتے کرتے ہندوستان کی سرحد میں پہنچا تو اُسے توتوں کا ایک جھنڈ نظر آیا اس نے اپنی سواری روکی اور توتے کا سلام و پیام پہنچایا۔ پیام سنتے ہی اُن توتوں میں سے ایک تھرتھرا کر زمین پر گرا اور ٹھنڈا ہوگیا۔

سوداگر کو بہت افسوس ہوا کہ اس نے یہ پیغام کیوں پہنچایا۔ شاید یہ توتا اس توتے کا عزیز تھا، اسی لیے صدمے سے گر کر مرگیا۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا بات جو ہونی تھی وہ ہوگئی۔ اس نے سواری آگے بڑھائی۔

کچھ دنوں کے بعد سوداگر وطن لوٹا۔ توتے نے اپنے تحفے کے بارے میں پوچھا۔ سوداگر نے کہا۔ "اس سلسلے میں مجھے بہت رنج اٹھانا پڑا اور تمھاری بات کہہ کر میں بہت پچھتایا۔"

"آخر ایسی کون سی بات تھی جس سے آپ کو صدمہ اٹھانا پڑا؟" توتے نے کہا۔

سوداگر بولا۔ "پیڑ پر توتوں کا ایک جھنڈ بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی میں نے تمھارا سلام اور پیام پہنچایا۔ اُن میں سے بچارے ایک توتے کا بُرا حال ہوگیا، اس کا دل پھٹ گیا، وہ کپکپا کر زمین پر گر پڑا اور ٹھنڈا ہوگیا۔"

سوداگر کے توتے نے جو یہ ماجرا سُنا تو وہ بھی اسی طرح کپکپایا اور پنجرے میں گر پڑا اور ٹھنڈا پڑ گیا۔ سوداگر یہ دیکھ کر بہت رنجیدہ ہُوا۔ دانتوں سے انگلیاں کاٹ لیں۔ رونے دھونے لگا اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا

"ہائے میں نے یہ کیسی غلطی کی۔ اگر میں یہ بات نہ کہتا تو کیا حرج ہو جاتا" انسان کی زبان ہی آگ ہے۔ یہی خرمن ہے۔ کبھی یہ خرمن جمع کرتی ہے، کبھی اس میں آگ لگاتی ہے۔ یہ زبان جو چاہے کر دے افسوس ہزار افسوس!"

سوداگر نے رو دھو کر توتے کو اُٹھایا اور پنجرے سے باہر پھینک دیا۔ توتا زمین پر گرتے ہی اُڑا اور ایک پیڑ کی ٹہنی پر جا بیٹھا۔ سوداگر نے حیران ہو کر پوچھا۔ "یہ کیا ماجرا ہے؟"

توتے نے کہا۔ "میری قوم والے توتے نے مجھے یہ سبق دیا تھا کہ تو اپنے میٹھے میٹھے بول اور پیاری پیاری باتیں چھوڑ دے۔ اپنی مرضی سے زندگی کے چٹخارے اور مزے بھلا دے اور اپنے کو مُردے کی طرح بے خواہش بنا دے پھر تو آزاد ہو جائے گا۔"

یہ کہا اور اُڑ کر اپنے وطن ہندوستان روانہ ہو گیا۔

ہُد ہُد سے کوّے کا حسَد

حضرت سلیمان پیغمبر تھے، پرندوں کی بولی جانتے تھے۔ ہر پرندہ ان کی خدمت میں رہنا عزت کی بات سمجھتا تھا۔ سب اپنے اپنے کمالات اُن پر جتاتے اور اپنے آپ کو اُن کے پاس رہنے کے لائق بتاتے۔

ہُد ہُد نے اپنی باری میں حضرت کو بتایا کہ یوں تو مجھ میں جو خوبیاں ہیں وہ خیر ہیں ہی، ایک سب سے چھوٹی بات مجھ میں یہ ہے کہ میں ہوا میں اُڑ کر زمین کی ہر چیز دیکھ لیتا ہوں۔ پانی کو تو ایک نظر میں پہچان لیتا ہوں کہ کتنا گہرا ہے کس رنگ و بو کا ہے؟ کس جگہ سے نکلتا ہے؟ اس کا مزہ کیسا ہے؟ اگر آپ اپنے لشکر کے ساتھ مجھے رہنے کی اجازت دیجیے تو میں مفید ثابت ہوں گا۔"

حضرت نے فرمایا۔ "بے شک تمھارا فوج کے ساتھ ہونا بہت مفید ہو گا۔ جنگل صحرا میں ہر جگہ پانی کی کھوج لگاؤ گے اور فوج کو کہیں پیاس کی مصیبت نہ اُٹھانی پڑے گی۔ تم ضرور ہماری فوج کے

ساتھ رہا کردو۔"

کوتے نے ہُدہُد کی عزت بڑھتے دیکھی تو مارے حسد کے جل گیا اور موقع پاکر حضرت سے کہا۔" حضور ہُدہُد اپنی نظر کی جھوٹ موٹ ڈینگیں مارتا ہے۔ اگر یہ ایسا نظر کا تیز ہوتا تو پھر جال میں پھنس کر مرتا ہی کیوں؟ جال نہ دیکھ لیتا؟"

حضرت نے ہُدہُد سے پوچھا۔ "کیا تم نے ہم سے غلط بات کہی؟ اگر ایسا کیا ہے تو بہت بُرا کیا!"

ہُدہُد نے بہت ادب سے کہا۔ "حضرت اگر میری بات غلط نکلے تو جو چور کی سزا وہ میری۔ میں غلط بات کبھی نہیں کہوں گا۔ کوّا میرا ہمیشہ سے دشمن ہے۔ یونہی جھوٹ سچ لگایا کرتا ہے۔ نہ اس کا کوئی دین ہے نہ ایمان۔ پکّا بے ایمان ہے۔ اس کی باتوں پر آپ نہ جائیے۔ میں تو آسمان کی اونچائی سے بھی جال دیکھ سکتا ہوں۔ اگر موت کا وقت ہی آجائے تو اور بات ہے۔ پھر عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ چاند کالا اور سورج بے نور نظر آنے لگتا ہے۔ قضا سے بھلا کس کو انکار ہے"

شیر بھیڑیا اور لومڑی

ایک دفعہ ایک شیر شکار کے لیے جنگل جا رہا تھا، اگرچہ اس جیسے بادشاہ کے لیے لاؤ لشکر کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بھی اس خیال سے بھیڑیے اور لومڑی کو ساتھ لے گیا کہ ایک سے دو ہو جائیں تو تفریح رہے گی۔

جنگل میں پہنچ کر اُس نے تابڑ توڑ تین شکار کیے، نیل گائے جنگلی بکری، اور خرگوش۔ شیر نے بھیڑیے اور لومڑی کے انداز سے بھانپ لیا کہ شکار پر اُن کی للچائی ہوئی نظریں ہیں اور اپنے کو بھی برابر کا حصہ دار سمجھ رہے ہیں۔

شیر نے اُن دونوں کو آزمانا چاہا اور بھیڑیے سے کہا۔ "تم زمانہ دیکھے ہوئے ہو ذرا اس شکار کو انصاف سے بانٹو میں دیکھوں تم کتنے شریف جانور ہو۔"

بھیڑیا تو پہلے ہی سے سوچے بیٹھا تھا، بولا۔ "حضور ... ہیں، اور نیل گائے بھی بڑی ہے یہ تو حضور کا حصہ ہوا۔ میں

درمیانی ہوں اور بکری بھی درمیانی ہی ہے یہ میرا حق ہے۔ خرگوش چھوٹا ہے اور لومڑی بھی چھوٹی ہے یہ اس کو دے دیا جائے۔"

یہ سن کر شیر بپھر گیا اور کہا۔ "میرے سامنے تو اپنا شمار 'میں' اور 'تم' کے ساتھ کرتا ہے۔ تیری یہ ہمت! مجھ ایسے جنگل کے بادشاہ کے ہوتے ہوئے تو اپنے کو بڑا جتانے لگا۔ بھیڑیا کون کتا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ہمارے شکار کا شریک سمجھے!" پھر گرج کر بولا۔ "ادھر آ بے گدھے! تجھے تیری گستاخی کا مزا چکھاؤں!" یہ کہہ کر ایک زور کا پنجہ منہ پر مارا اور اُسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔

پھر لومڑی سے کہا۔ "تم اسے تقسیم کرو۔"

لومڑی نے ادب سے زمین چوم کر کہا۔ "نیل گائے تو سرکار کے ناشتے میں کام آجائے گی۔ دوپہر کو بادشاہ کے لیے بکری کی یخنی ضرور چاہیے اور رات میں حضور کے لیے خرگوش کا سوپ ٹھیک رہے گا۔"

شیر خوش ہو کر بولا۔ "اے لومڑی تو انصاف کرنا جانتی ہے تو بہت سمجھ دار اور ہوشیار ہے۔ یہ تقسیم تو نے کس سے سیکھی؟"

لومڑی نے کہا۔

"اے حضور! میں نے بھیڑیے کی دُرگت دیکھ کر یہ سیکھا ہے!!"

شیر نے کہا۔ "شاباش! جو دوسروں کے حال سے سبق لیتا ہے وہی عقل والا ہے۔ ہم نے تمھیں یہ تینوں شکار بخش دیے۔ جاؤ آج سے تم ہماری امان میں ہو اور تم ہمیشہ کے لیے ہماری مہربانیوں کی حق دار رہوگی!"

لومڑی شیر کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہوئی اور دل میں بولی۔ 'اچھا ہوا بھیڑیے کے بعد میری باری آئی۔ اگر میرا نمبر پہلے آتا تو شاید میرا بھی وہی حال ہوتا!'

کاموں میں خلوص

حضرت علیؓ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے اور
بڑے مرتبہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ بہت
بہادر اور لسان تھے۔

ایک مرتبہ جنگ کے میدان میں حضرت علیؓ نے دشمن کو پچھاڑ دیا اور اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا کہ اُن کی تلوار دشمن پر چل جاتی کہ حریف نے اُن کے مبارک چہرے پر تھوک دیا! حضرت علیؓ نے اُسی وقت تلوار پھینک دی اور دشمن کو چھوڑ دیا۔

مخالف بہت حیران ہوا کہ قابو پاکر دشمن کو چھوڑ دینے کا یہ کیا موقعہ تھا؟ آپ سے پوچھا تو فرمایا۔ "میں اپنے لیے کچھ نہیں کرتا، جو کچھ کرتا ہوں اپنے خدا کے لیے کرتا ہوں۔ تیری میری کوئی ذاتی لڑائی نہ تھی۔ خدا کے راستے میں جنگ کر رہا تھا۔ جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو قدرتی طور پر مجھے کچھ غصہ آگیا۔ اب

اگر میں تجھے قتل کر دیتا تو میرے ذاتی بدلے کا جذبہ بھی اس میں شامل ہو جاتا اور میں خدا کے کاموں میں اپنا بدلا ملانا نہیں چاہتا۔"

(مولانا روم فرماتے ہیں) کوئی خلوص اور سچائی کے ساتھ کام کرنا چاہے تو یہ سبق حضرت علیؓ سے سیکھے۔

نحوی اور ملاّح

ایک نحوی (علم نحو کا عالم) کشتی میں سوار ہوا اور گھمنڈ سے اپنا علم ظاہر کرنے لگا۔ بچارے کشتی والے سے پوچھا "تم نے کچھ نحو کا علم بھی پڑھا ہے؟"

اس نے کہا۔ "نہیں۔"

تو نحوی بولا۔ "افسوس! تم نے اپنی آدھی زندگی بیکار کھودی۔" ملاّح کو یہ بات بہت بُری لگی اور وہ شرمندہ ہو کر کشتی چلاتا رہا۔

تھوڑی دیر میں ایک طوفان اُٹھا۔ اب کشتی والے نے نحوی سے پوچھا۔

"جناب تیرنا بھی جانتے ہیں؟"

اس نے کہا۔ "بالکل نہیں!"

کشتی والے نے کہا۔ "پھر تو تم نے اپنی عمر ضائع

کردی، پانی مُردوں کو تو اپنے سر پر لیے پھرتا ہے، زندوں
کو، اگر تیرنا نہیں جانتے تو ڈبو دیتا ہے!
تم جو اپنے سوا ساری دُنیا کو گدھا اور احمق
سمجھتے ہو اب گدھے کی طرح برف پر مُردہ پڑے
رہو گے!"

ایک بہرا، بیمار کے پاس

ایک بہرے کو اپنے دوست سے معلوم ہوا کہ اس کا پڑوسی بیمار ہے۔ سوچا پڑوسی کا بڑا حق ہوتا ہے۔ میرے لیے ضروری ہے کہ اس کو پوچھنے کے لیے جاؤں۔ مگر بیماری سے بچارا کمزور ہو گیا ہوگا۔ میں بہرا ہوں یوں بھی مشکل سے سن پاتا ہوں، اس کی کمزور آواز کیسے سن سکوں گا؟

اس نے یہ اسکیم سوچی کہ پہلے جاکر دعا سلام کے بعد اس سے پوچھوں گا 'تم اب کیسے ہو' وہ کہے گا۔ 'اب بہتر ہوں' اس پر خدا کا شکر ادا کروں گا۔ پھر پوچھوں گا 'آج کل کیا کھا رہے ہو۔' وہ شوربا یا دال کا پانی بتلائے گا۔ میں کہوں گا خدا بچائے۔' پھر پوچھوں گا۔ 'کس حکیم کا علاج ہے'۔ ظاہر ہے وہ کسی اچھے حکیم کا نام بتائے گا۔ میں کہوں گا 'اس کا قدم بڑا مبارک ہے۔ جس گھر میں جاتا ہے کامیابی اس کے قدم چومتی ہے مجھے معلوم ہے جہاں وہ گیا ہے وہاں اس نے کام پورا کیا ہے'۔

یہ سب باتیں سوچ کر پڑوسی کی طرف چلا۔ پڑوسی بیمار تو تھا ہی۔ بہرے کو آتا دیکھ کر جھنجلایا کہ اب یہ میرا دماغ چاٹے گا۔

بہرے نے سلام دعا کے بعد پوچھا۔ اب آپ کیسے ہیں؟

بیمار بولا۔ ”مر رہا ہوں۔“

بہرے نے اپنی سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق کہا ”خدا کا شکر ہے۔“ بیمار یہ سُن کر چڑ گیا۔

پھر بہرے نے پوچھا۔ ”کیا کھایا آپ نے؟“

بیمار جھلّا کر بولا۔ ”زہر۔“

بہرا بولا۔ ”خدا رچائے اور پچائے۔“ اب تو وہ اور بھی غصہ ہوا۔

بہرے نے پھر پوچھا ”کون سا حکیم آپ کے ہاں آتا ہے؟“

اسے غصہ تو تھا، کہا ”عزرائیل“ (جان نکالنے والا فرشتہ)۔

بہرا بولا۔ ”اُس کا بڑا مبارک قدم ہے۔ خوش ہو جاؤ اب تمہارا کام بن گیا۔“

بیمار جل بھُن کر کباب ہو گیا۔

یہ کہہ سُن کر بہرا رخصت ہوا، جی میں بہت خوش ہوا کہ میں نے اٹکل سے کیا خوب کام نکالا۔

شیر اور خرگوش

ایک ہرے بھرے رمنے میں بہت سے جنگلی جانور رہتے تھے۔ ایک شیر نے بچاروں کو تاکا۔ روزانہ دو چار کو گھائل کرتا اور ایک دو کو چٹ کر جاتا۔

سب نے مل کر سوچا کہ یہی حالت رہی تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ بہتر ہے کہ شیر سے مل کر معاملے طے کرلیں۔ ایک وفد شیر کے پاس پہنچا کہ حضور جنگل میں تشریف لاتے ہیں تو ہم میں بدحواسی پھیل جاتی ہے اور آپ کو بھی تشریف لانے کی زحمت ہوتی ہے۔ آپ منظور فرمائیں تو ہم روز حضور کے لیے ایک شکار مقررہ وقت پر بھیج دیا کریں۔

شیر بادشاہ نے کہا۔ "اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر مجھے بہت بُرے تجربے ہو چکے ہیں۔ اس لیے تمھاری بات کا اعتبار نہیں آتا۔"

اُنھوں نے کہا" حضور! وہ اور ہوں گے جو بات کہہ کر

ٹکر جاتے ہیں۔ آپ ہمارا بھی تجربہ کر لیجیے۔ ہم وہ ہیں کہ جان جائے مگر آن نہ جائے۔"

شیر نے اپنی مہربانی سے اُن کی بات مان لی اور کہا "دیکھو اس کے خلاف ہُوا تو پھر مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

وفد کے ممبران اپنی کامیابی پر ہنسی خوشی واپس لوٹے۔ رمنے کے سب جانوروں کو اکٹھا کیا۔ صلاح مشورے سے یہ بات پکّی کر لی کہ روزانہ قرعہ پڑے گا۔ جس کا نام نکلے گا وہ بغیر کچھ کہے سُنے شیر بادشاہ کے حضور میں چلا جائے گا۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جس کی قسمت کے جتنے دن لکھے ہیں، سُکھ چین سے بے کھٹکے گذر جائیں گے۔

اب روز قرعہ نکالا جاتا جس کا نام آتا وہ دوڑا دوڑا سیدھا شیر کے پاس چلا جاتا۔ ایک دن قرعہ خرگوش کے نام نکلا۔ اس نے اپنے کان کھڑے کیے اور سب جانوروں سے کہنے لگا۔ "یارو! یہ روز روز کی مصیبت کب تک سہی جائے گی؟ تم اگر مجھے تھوڑی سی مہلت دو تو ایسی ترکیب سوچتا ہوں کہ اس موذی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے۔"

قوم نے اُسے ڈانٹ دکھائی کہ ذرا آپ اپنی حیثیت تو دیکھیے، کیوں اپنے آپ کو بھول رہے ہو۔ اپنے ساتھ اپنی ساری قوم کو پریشانی میں نہ ڈالو۔ کہاں شیر کہاں تم۔ شیر نے اس بات

کی ذرا بھی سن گن پالی تو غضب ہو جائے گا۔ خدا کے لیے اپنے دماغ سے یہ شیخ چلّی کے منصوبے نکال ڈالو اور سیدھا اپنا راستہ ناپو۔"

ان میں سے ایک نے کہا۔ "آخر آپ نے ایسی کون سی تدبیر سوچی ہے جو شیر کو بھی نیچا دکھا دے، ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

خرگوش نے کہا۔ "بس بس" میں سب کچھ سوچ چکا ہوں۔ عقل مند تین باتیں کسی کو نہیں بتاتا۔ ایک اپنا مقصد، دوسرا سفر، تیسرا روپیہ پیسہ۔ بھلا میں تم کو اپنا منصوبہ کیسے بتا دوں۔ اب تم دیکھ لینا، میں اسے کیسے چت کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے دماغ میں اسکیم بناتا ہوا چلا گیا۔ ٹہلتا ٹہلاتا کافی دیر کے بعد شیر کے پاس پہنچا۔ شیر غصّے میں بھرا بیٹھا تھا۔ خرگوش کو جو دیکھا تو دہاڑ دہاڑ کر کہنے لگا کہ اب تمھارا یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ اٹھلاتے ہوئے چلے آ رہے ہو۔ بھول گئے کہ تمھیں ایک بادشاہ کے حضور میں جانا ہے۔ اے ٹلوے! میں نے بڑے بڑے ہاتھی ایسے سانڈوں کا کچومر نکال دیا ہے، میرے آگے اچھے اچھے شیروں کا پتّا پانی ہو جاتا ہے۔ تم بو کس ہوا میں۔ تم نے آخر کیا سوچ کر یہ بدتمیزی کی؟ شیر خوب گرج کر ذرا مدھم ہوا تو بڑی لجاجت اور ادب سے خرگوش نے کہا

در حضور! غلام کا عذر اگر سن لیں تو اسے بالکل بے خطا پائیں گے۔

"میں اور میرا ایک ساتھی دوڑتے ہوئے سرکار کی خدمت میں آ رہے تھے کہ ایک نابکار شیر نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ہم نے بہت کہا سُنا کہ حضور کے کھانے کا وقت ہوگیا ہے غضب ہو جائے گا جو تم روکو گے۔ مگر حضور اس نے ایک نہ مانی۔ اُلٹے اُس نے ایسی بکواس کی کہ سرکار کے سامنے وہ باتیں دُہرانے کے لیے زبان نہیں اُٹھتی۔ کہنے لگا 'کون ہے وہ تمھاری سرکار؟ ہم سے بڑا بھی کوئی اس جنگل میں ہے؟ ہم کسی ایسے ویسے کو نہیں جانتے!' بڑی مشکل سے اس بات پر راضی ہوا کہ ہم میں سے ایک یرغمال کے طور پر رکھ لے۔ دوسرے کو سرکار تک پہنچنے کا موقع دے۔ سرکار! جب تک راستہ کا یہ کانٹا دُور نہ ہوگا، روز یہی قصّہ رہے گا۔"

شیر کو یہ سُن کر تاؤ آگیا، کہا اگر یہ بات سچ ہے تو ابھی چل کر اس پاجی کے چیتھڑے اُڑائے دیتا ہوں اور اگر یہ بات غلط نکلی تو تیری ایسی دُرگت بناؤں گا کہ تو بھی یاد کرے گا۔ اچھا چل، مجھے بتا کہ وہ موذی کہاں ہے؟

آگے آگے خرگوش، پیچھے پیچھے شیر، یہاں تک کہ خرگوش اُسے اپنے سوچے ہوئے گہرے کنویں کے پاس لے آیا اور ادب سے کہا۔

"حضور وہ ظالم اس کنویں میں بیٹھا ہے اور میرے ساتھی کو بھی اس میں قید کر رکھا ہے۔"

شیر نے کنویں میں جھانک کر جو دیکھا تو اُسے اپنی اور خرگوش کی پرچھائیں نظر آئی۔ شیر بھوکا اور غصے میں تو تھا ہی زور سے دہاڑ کر ایک چھلانگ لگائی اور کنویں کی تہہ میں جاگرا۔

خرگوش شیر کو تباہی کے اس غار میں دھکیل کر بھاگا جنگل کے سب جانوروں کو خوشخبری دی کہ موذی شیر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ اب سکھ کی نیند سوؤ اور چین کی بانسری بجاؤ۔

سب نے مل کر آزادی کا جشن منایا۔ خرگوش کی سوجھ بوجھ کو سراہا اور اسے شاباشی دی۔

غلاموں کا غلام

کسی بادشاہ نے باتوں باتوں میں ایک بزرگ سے کہہ دیا کہ کوئی چیز مجھ سے مانگیں تو میں وہ آپ کو دوں۔

بزرگ کو یہ بات بہت بُری لگی۔ اُنھوں نے بادشاہ سے کہا۔ "بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ تم مجھ سے ایسا کہتے ہو! کیا تم نہیں جانتے کہ میرے دو معمولی غلام تم پر حکومت کر رہے ہیں؟"

بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔ "وہ کون سے دو غلام ہیں، مجھے تو آج تک اُن کی خبر نہیں۔"

بزرگ نے فرمایا۔ "غصّہ اور لالچ۔ یہ دونوں میرے غلام ہیں اور تم ان دونوں غلاموں کے غلام ہو!"

غلام پر خواجہ کی مہربانی

لقمان ایک خواجہ کے غلام تھے۔ بہت پاک صاف آدمی تھے۔ ایماندار، سچے اور اپنے کام کے پکے۔ اشاروں میں خواجہ کی مرضی پا لیتے، اس لیے خواجہ انہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ چاہتا تھا۔ ہر بات میں اُن کا خیال رکھتا تھا۔ کوئی چیز ہو پہلے اُنھیں کھلاتا، پھر آپ کھاتا۔ لوگ حیران تھے کہ لقمان میں ایسی کیا بات ہے کہ خواجہ ان کو پسند کرنے لگا ہے؟

ایک روز خواجہ کے لیے کسی نے تحفے میں خربوزے بھیجے۔ اس وقت لقمان موجود نہ تھے، ایک آدمی کو دوڑایا کہ لقمان کو بلا لاؤ۔ وہ آئے تو خواجہ اُنھیں خربوزے کی پھانکیں کاٹ کاٹ کر کھلانے لگا۔ اُنھوں نے خوب مزے لے لے کر کھائیں، جب سولہ سترہ پھانکیں وہ کھا چکے تو خواجہ نے کہا۔ "یہ آخری پھانک میں چکھوں گا۔ لقمان نے بڑے مزے لے لے کر کھائے ہیں۔ میں بھی دیکھوں گا یہ کس قدر میٹھے ہیں۔"

ایک پھانک جو مُنہ میں رکھی تو زبان سے حلق تک کڑوا ہی کڑوا ہوگیا، جیسے کسی نے آگ کی سلائی پھیر دی ہو۔ خواجہ اتنا بد مزہ ہُوا کہ تھوڑی دیر تک بات کرنے کی بھی سُدھ نہ رہی۔

کچھ دیر کے بعد بولا۔ "اے عزیز! تم نے اتنی کڑوی چیز کھالی! نہ مُنہ بنایا نہ بدمزہ ہوئے بلکہ تم تو بڑے شوق اور رغبت سے کھا رہے تھے۔ یہ کیا بات ہے؟"

لقمان نے کہا: "اے خواجہ! جن ہاتھوں سے میں نے اَن گنت مزے مزے کی چیزیں کھائی ہیں اور جس کی محبّت نے سیکڑوں نعمتیں مجھے دی ہیں۔ مجھے شرم آئی کہ آج اس ہاتھ سے ایک کڑوی چیز نہ کھا سکوں۔ میری زندگی پر پھٹکار ہے۔ اگر میں اتنا ناشکرا بن جاؤں اور سچ تو یہ ہے کہ محبّت، کڑواہٹ میں بھی مٹھاس پیدا کر دیتی ہے۔ محبّت کے ہاتھوں ہر چیز بھلی لگتی ہے۔"

یہ دیکھ اور سُن کر سب لوگ لقمان کی بڑائی کے قائل ہو گئے۔

بے سمجھی کا جھگڑا

ایک شخص نے چار آدمیوں کو ایک درم دیا۔ یہ سب الگ الگ مُلکوں کے رہنے والے تھے۔ ان کی بولی جُدا جُدا تھی۔ اُنھوں نے سوچا کہ دام سے کچھ خرید کر بانٹ لیں۔ اب اِن پر جھگڑا چلا کہ کیا خریدیں؟

ایرانی بولا،

"انگور سے بہتر کیا چیز ہوگی۔"

عرب بولا،

"میں انگور بالکل پسند نہیں کرتا مجھے تو عنب چاہیے۔"

ترکی بولا،

"یہ دونوں نہیں۔ میں تو اوزم لوں گا۔"

رومی بولا۔ "یہ سب چھوڑو۔ استافیل سب سے اچھے رہیں گے۔"

مگر کسی نے کسی کی نہ مانی۔ لڑائی بہت بڑھ گئی۔
سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔لیکن بولیاں جدا جدا
تھیں۔ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ پا رہے تھے، ناسمجھی
سے جھگڑ رہے تھے۔ اگر وہاں کوئی سب زبانوں کا
جاننے والا ہوتا تو درم لے کر انگور خرید لاتا اور
جھگڑا مٹ جاتا۔